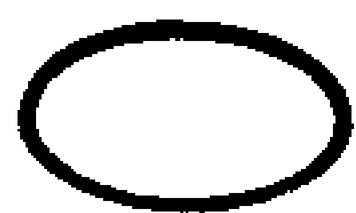
نبی اُمّی

قرآن مجید کی روشنی میں

تالیف

علامہ تمنّا عمادی پھلواروی

رحمۃ اللہ علیہ



شائع کردہ

مجلس حضرت عثمان غنیؓ ـــــ درخشاں سوسائٹی

کراچی ۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد : ہر چند کہ اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کا خیال اور احساس اس سے روکتا ہے کہ علامہ تمنا عمادی جیسے بحر العلوم کے نوشتہ مضمون کی بابت کچھ عرض کرنے کی جسارت کروں لیکن پھر یہ بھی خیال آتا ہے کہ اس پاکیزہ مضمون کی بابت اپنے جذبات کا اظہار کرکے مولانا مرحوم کے ساتھ اپنی ادنیٰ پونجی شامل کرکے ثواب میں میں بھی شامل ہو جاؤں اور مولانا مرحوم کی تبحر علمی اور تحقیق انیق کی داد دوں ۔

کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ سورہ جمعہ کی آیۃ نمبر ۲ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ کے ترجمہ میں امیین کا ترجمہ ابن کثیر جیسے متقدمین سے لے کر مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد نے ان پڑھوں، عرب کے ناخواندہ لوگوں میں امی (قوم) میں کیا ہے، غالباً ان کی تائید ہی میں مارماڈیوک پکتھال اور عبد اللہ یوسف علی نے بھی اپنے انگریزی ترجمے میں بھی عربوں کے لئے UNLETTERED یا ان پڑھوں کا لفظ استعمال کیا ہے ۔

ان تمام مترجمین حضرات نے باوجود اپنے کمال علم اور ادراک دین کے معلوم نہیں کیوں اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت قرآن مجید کی ان دوسری متعدد آیات کا خیال نہ رکھا جن میں لفظ اُم یا اُمّی بطور مادہ یا مضاف استعمال ہوا ہے، مثلاً خود ام القریٰ کے مرکب اضافی میں اُم کے مضاف میں ی لگا کر اُمّی بنا لیا گیا یہ ایسا ہی ہے جیسے ائمہ اربعہ کے متبعین کو امام احمد بن حنبل یا امام ابو حنیفہ کے ماننے والوں کو حنبلی حنفی، مالکی وغیرہ کہا جاتا ہے اور سننے والے بلا کسی پس و پیش کے ان ائمہ کے متبعین ہی کو سمجھتے ہیں نہ کہ بندۂ حنیف اور شافعی سے حق شفع سے متعلق نہیں سمجھتے ۔

چونکہ صورت حال یہ ہے کہ ام القریٰ یا مکہ بنی اسماعیل کا وطن دعائے ابراہیم کے طفیل میں ہمیشہ کیلئے بن چکا اور معروف ہو چکا تھا، اسی لئے تمام بنی اسمٰعیل خود کو امی یعنی ام القریٰ سے تعلق رکھنے والا بڑے فخر کے ساتھ کہتے تھے اور اسی شد و مد کے ساتھ ان کے دشمن بنی اسرائیل ان کو مجرد محض امی کہہ کر

اور جاہل اَن پڑھ گنوار، [illegible] جنگلی (وحشی) وغیرہ معنی پہنا کر بزعم خود خوش ہوتے اور بنی اسمٰعیل کے مقابلے میں اپنے کو ہر اعتبار سے فائق گردانتے تھے۔

مکّہ کے تقدس اور اس کی قدامت کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی آیات ۹۶ ۹۷ میں ان الفاظ میں دی ہے۔ انّ اوّل بیت وضع للنّاس للّذی ببکّۃ مبٰرکاوّ ھدی للعٰلمین ۝ فیہ اٰیات بیّنات مقام ابراھیم ۝ ومن دخلہ کان اٰمنا ط وللہ علی النّاس حجّ البیت من استطاع الیہ سبیلا ط ومن کفر فان اللہ غنیٌّ عن العالمین۔

بکّہ سے مراد مکہ ہے۔ قدیم صحیفوں میں اس کا یہی نام آیا ہے۔ لغوی معنی اس کے شہر کے ہیں مثلاً "بعلبک" (بعل کا شہر)۔ لوگوں نے اس لفظ کے اشتقاق کے بارے میں اختلاف کیا ہے لیکن اس امر میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ بکہ کی بدلی ہوئی صورت ہے اور خود صحرائے بکہ کا اطلاق حدودِ حرم پر ہوتا ہے تو مکہ کا قلب وادی پر۔

آیات مذکورہ ان چیزوں کی طرف اشارہ ہے، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادات کا وہ گھر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا یہی مکہ کا بیت اللہ ہے۔ اور خود شہر مکہ ام القریٰ اور اس کے رہنے والے امّی ہیں۔

علامہ تمنّا عمادی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے ممتاز و معروف اہل علم میں ہیں جنھوں نے قرآن و سنّت، رجال و تاریخ اور فقہ و ادب کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔ آپ کی مطبوعہ بعض کتب کے نام درج ذیل ہیں۔ ① جمع القرآن ② اعجاز القرآن ③ راہ نجات ④ اختلاف امت ⑤ الطلاق مرّتان ⑥ القصیدۃ الزہرہ ⑦ ہماری تاریخ، علامہ ابن جریر طبری

ان چند ابتدائی و تعارفی کلمات کے ساتھ ہم زیرِ نظر علمی و تحقیقی مقالہ "نبی امّی" پیش کرتے ہوئے تمام حق بین اور علم و انصاف پسند حضرات کو دعوتِ فکر و قبول دیتے ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم

محمد عمر

۲۱۶ / ۵۰ درخشاں سوسائٹی کراچی نمبر ۲۷



ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ (جمعہ: ۲)

وہی (اللہ تعالیٰ ہی) ہے جس نے امیوں میں انھیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو پاک نفس بنائے اور (اللہ تعالیٰ کی) کتاب و حکمت کی تعلیم کرتے رہیں۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ط ربنا تقبّل منّا ط انّک انت السمیع العلیم

(وہ بھی کیا وقت تھا) جب ابراہیم اس گھر (کعبہ مکرمہ) کی دیواریں اُٹھا رہے تھے اور اسمٰعیل (بھی ان کے ساتھ) دونوں دعائیں کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب ہم دونوں سے (اس خدمت کو) قبول فرمالے۔ تو (دعاؤں کا) سننے والا (دلی کی نیتوں کا) جاننے والا ہے۔

ربّنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لّک وارنا مناسکنا وتب علینا انّک انت التوّاب الرحیم

اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہم دونوں کی نسل سے ایک بڑی اُمت اپنی فرماں بردار تیار کر دے اور ہمیں بتادے عبادت کے (وہ) طریقے (جو) ہمارے لیئے مناسب ہوں) اور ہم لوگوں کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرما تو بڑا درگزر کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہے

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم ط انک انت العزیز الحکیم ۵

اے ہم دونوں کے رب! اور ان (ہم دونوں کی نسل والی امت کے) لوگوں میں ایک رسول انھیں میں سے مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور ان کو (تیری) کتاب اور حکمت کی تعلیم کرے اور ان کو پاک نفس بنائے۔ تو ہی عزت و حکمت کا مالک ہے۔

سورہ بقرہ کی تین آیتیں مسلسل ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹ میں نے ترجمے کے ساتھ پیش کردی ہیں اور یہ مقالہ شروع کیا ہے۔ سورۃ جمعہ کی دوسری آیت سے۔ سورہ بقرہ کی ان تینوں آیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں سے آخری یعنی ۲ : ۱۲۹ کو سورہ جمعہ کی آیت سے ملاکر دیکھئے۔

بنی اسرائیل اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے آخری نبی کے منتظر ضرور تھے ان کے عوام برابر غیر بنی اسرائیل مشرکین کو اور ان کے موحدین مشرکین بنی اسرائیل کو آخری نبی کی آمد کی پیشین گوئیاں سنا سنا کر ڈرایا کرتے تھے کہ وقت آگیا ہے۔ آخری نبی کے آنے کا...... انھیں آنے دو تم کو تمہارے مشرکانہ اعمال اور بداعمالیوں کی سزا مل جائے گی۔ مگر وہ سمجھتے تھے کہ وہ آخری نبی بھی بنی اسرائیل ہی میں سے مبعوث ہوں گے۔ مگر آئے بنی اسمٰعیلؑ میں یہ بات عامہ بنی اسرائیل کو سخت ناگوار ہوئی تو انکار و کفر پر آمادہ ہوگئے۔

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا ج فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ ط (۲ : ۸۹)

وہ بنی اسرائیل بعثت نبوی سے) پہلے آخری نبی کے مبعوث کیے جانے کی اور (ان کے ذریعے) کافروں پر فتح حاصل ہونے کی دعائیں کرتے رہتے تھے۔ مگر جس کو وہ (اچھی طرح) پہچانتے تھے جب وقت آگیا تو اب اس کو ماننے سے انکار کرنے لگے۔

اور ان کا یہ انکار کسی برہان و دلیل کی بناء پر یا شک و شبہہ کی بناء پر نہ تھا۔ بلکہ ارشاد ہے کہ:

بغیًا ان ینزل اللہ من فضلہ علی من یشاء من عبادہ۔ (۲ : ۹۰)

(یعنی بنی اسرائیل نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق تسلیم کرنے سے انکار کیا وہ محض) ضد کی بناء پر کہ (اللہ تعالیٰ نے ان کی توقع کے مطابق آخری نبی کو کیوں مبعوث کیا؟ ان کے نزدیک یہ ٹھیک نہیں ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے (خود) جس پر چاہے اپنا فضل (اپنی کتاب) نازل فرماتے۔

غرض بنی اسرائیل کا انکار و کفر محض حسدًا من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق (۲ : ۱۰۹) تھا۔

یعنی صرف نفسانی جذبۂ حسد کے سبب سے تھا باوجود اس کے کہ حق بات ان پر واضح ہو چکی تھی مگر وہ اس حسد سے کہ یہ آخری نبی بنی اسماعیل میں کیوں آئے۔

بنی اسرائیل کی ضد اور ہٹ دھرمی کے باوجود محض اتمام حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے تعمیر کعبہ مکرمہ کے وقت جو دعا حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیٰ نبینا و علیہما السلام کرتے جاتے تھے۔ اس کا ذکر فرما کر یہ فرمادیا کہ آخری نبی حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی مشترکہ دعاؤں کی وجہ سے بنی اسمٰعیل میں مبعوث ہوئے۔

تو اب حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیٰ نبینا و علیہما السلام کی مشترکہ دعا والی آیت ۱۲۹ کو اور سورۂ جمعہ کی دوسری آیت ملاکر دیکھئے حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا تھی اپنی اولاد یعنی بنی اسمٰعیل ہی کے لئے کہ انھیں میں سے ایک نبی ان میں مبعوث فرمایا جائے۔ وہ دعا قبول فرمائی گئی۔ جس کا ذکر بعث فی الامیین رسولًا منھم فرمایا گیا۔ اور بنی اسمٰعیلؑ ہی کو الامیین فرمایا گیا۔ کیوں بنی اسمٰعیل کو الامیین فرمایا گیا؟ اس کی وجہ بھی آپ کلام اللہ ہی سے پوچھیے۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ السلام نے یہ بھی دعا فرمائی تھی:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرع عند بیتك المحرم
ربنا لیقیموا الصلوٰة ط (۱۴ : ۳۷)

لے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد (میں) سے بعض کو ایک ناقابل کاشت وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس لبسایا ہے ۔ لے ہمارے رب (اس سے میری کوئی اور غرض نہیں بجز اس کے) تاکہ یہ لوگ نماز (کے نظام) کو قائم رکھیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وادی غیر ذی زرع مکہ معظمہ ہی کو فرمایا تھا جس کے قلب میں بیت اللہ کعبہ محرمہ ہے ۔ اور مکہ مکرمہ کا مشہور و معروف لقب ام القریٰ ہے قرآن مجید میں تو مکہ کا لفظ بھی کہیں مذکور نہیں ۔ البتہ بکّہ کا لفظ ہے ۔ بعض غیر معتبر تفسیری روایتوں میں آگیا ہے کہ مکہ معظمہ کا ایک نام بکّہ بھی ہے ۔ تو مفسرین کے لئے ایک روایت میں کسی بات کا ہونا کافی تھا اور اہلِ لغت تو مفسرین کے بعد پیدا ہوئے ۔ جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے ۔ اہل لغت نے بھی لکھ دیا ۔ بکّہ دراصل مکہ معظمہ کے ایک صحرا کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکہ معظمہ میں تشریف آوری کے قبل سے مشہور تھا جس صحرا میں ان کو بیت اللہ کا پتہ بتا کر اس کو نئے سرے سے تعمیر کا حکم ہوا تھا ۔ پہلے اس صحرا میں باہر کے آئے ہوئے تجارتی قافلے برابر ٹھہرا کرتے تھے ۔ بکّہ کے لغوی معنی خود اہل لغت لکھتے ہیں " جائے ازدحام " بنائے مکہ مکرمہ سے پہلے اس صحرا میں ہر وقت دو تین تجارتی قافلے آکر ٹھہرتے ۔ اس وقت وہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا ۔ اور مکّہ کے معنی مغز کے ہیں ۔ گویا یہ بلد اس پوری زمین کا مغز ہے ۔ غرض مکّہ پورے شہر کا نام ہے اور بکّہ اس صحرا کا نام تھا جس میں کعبہ کی تعمیر ہوئی ۔ حرم شریف کا پورا احاطہ بکّہ ہے ۔

غرض قرآن مجید میں مکہ مکرمہ کو ام القریٰ ہی کے نام سے ذکر کیا گیا ہے ۔
اُمّی کا لفظ اس مرکب اضافی کے مضاف میں یائے نسبت لگا کر بنایا گیا ہے ۔ بلمنسوب الیہ مرکب ہو تو طوالت سے بچنے کے لئے اس کے ایک جز میں یائے نسبت لگانا معمول

یہ ہے کہ جیسے عبیداللہ المہدی بانی حکومتِ فاطمیہ کی اولاد اور اس کے متبعین کو عبیدیوں کہتے تھے ۔ تاریخ کی کتابوں میں عبیدین کا حال آپ کو ملتا ہے ۔ یہاں بھی مضاف میں ہی یائے نسبت لگی ہے ۔ اسی طرح عبدالدار سے عبدری ہے ۔

مختصر یہ کہ چونکہ اُم القریٰ سارے بنی اسمٰعیل کا آبائی وطن تھا اس لئے سارے بنی اسمٰعیل فخر کے ساتھ اپنے کو اُمّی کہتے تھے چاہے بعد کو ان کی چند پشت اوپر کے اسلاف مکہ مکرمہ سے منتقل ہو کر بہت دور کسی اور جگہ کیوں نہ سکونت پذیر ہو گئے ہوں ۔ مگر وہ اپنی نسبت مکہ مکرمہ سے باقی رکھنے کے لئے اور اپنے بنی اسمٰعیل ہونے کے ثبوت کے لئے اُمّی ہی اپنے کو کہتے تھے اور کہتے رہے ۔

اُم القریٰ کا لفظ ایک تو سورۃ انعام کی آیت کریمہ ۱۹۳ میں آیا ہے ۔

وھٰذا کتٰب انزلنٰہ مبٰرك مصدق الذی بین یدیہ
ولتنذر ام القریٰ ومن حولھا ط

اور یہ بڑی عظمت والی کتاب ہے ۔ ہم نے اس کو نازل کیا ہے ۔ برکتوں سے بھری ہے ۔ اس سے آگے جو (کتابیں اتریں) انھیں ان کی تصدیق کرنے والی ہے ۔ (اور یہ اس لئے اُتاری گئی ہے) تاکہ تم (اس کے ذریعے) ام القریٰ اور اس کے گرد و پیش کی (بستیوں کے رہنے والوں) کو (شرک اور بد اعمالیوں کے بُرے نتائج سے برابر) ڈراتے رہو ۔

دوسرا سورۃ الشوریٰ ہے جس کی ساتویں آیت کریمہ یہ ہے ۔

وکذٰلك اوحینا الیك قراٰنا عربیا لتنذر ام القریٰ ومن
حولھا (الآیہ)

اسی لئے اے رسول !) ہم نے تمھاری طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ ام القریٰ اور اس کے گرد و پیش (کی بستیوں کے رہنے والوں) کو (شرک و بد اعمالی کے

بڑے نتائج سے) ڈراتے رہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کئی سال تک مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف و جوانب کی بستیوں کی طرف تھی۔ اس کے بعد وحی آئی:

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ (اعراف: ۱۵۸)

(اب اے رسول!) عام اعلان کردو کہ اے عالم انسانیت والو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

مذکورہ بالا آیات کریمات سے یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں مکہ معظمہ کو ام القریٰ فرمایا گیا ہے اور بنی اسمٰعیلؑ کا چونکہ آبائی وطن حضرت اسمٰعیلؑ کے وقت سے ام القریٰ رہا اور وہ مکہ معظمہ اور حوالی مکہ معظمہ میں بہت بڑی تعداد میں آباد بھی تھے۔ اس لئے بنی اسمٰعیل کو اُمیین فرمایا گیا ہے۔

غیر اہلِ کتاب ہونا

بنی اسمٰعیل کے پاس بھی حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کے خلفاء رضی اللہ عنہم کے زمانے میں صرف حضرت ابراہیم کے صحیفے اور حضرت اسمٰعیلؑ کو جو کتاب دی گئی تھی ایک مدت تک وہ سارے ہدایت نامے موجود تھے۔ صحف ابراہیم کا ذکر تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ (سورہ اعلیٰ کی آخری آیت میں) اور سورہ بقرۃ آیت ۱۳۶ میں ہے

ما انزل علی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وحی کتاب یا صحیفے کی صورت میں یا جس شکل میں بھی ہو ان میں سے ہر ایک پر نازل ہوئی تھی۔ اس لئے بنی اسمٰعیل کو کتاب اللہ سے محروم ہرگز نہیں رکھا گیا تھا۔

مگر بنی اسرائیل میں برابر بعثت انبیاء کا سلسلہ جاری رہا متعدد کتابیں یکے بعد دیگرے اترتی رہیں۔ ضائع شدہ کتاب کسی نبی نے آکر درست کردی...

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء تھے ان کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی نبی تو نہیں آیا مگر تورات و زبور یہود و نصاریٰ کی متفق علیہ کتابیں تھیں اور ہیں۔ تحریفیں تو اپنے اپنے نقطہ نگاہ کے اعتبار سے دونوں نے کیں مگر محرف ہی سہی، دونوں کتابیں دونوں کے پاس موجود تو رہیں۔ انجیل سے تعلق صرف نصاریٰ ہی کا تھا اور ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ حضرت موسیٰ و حضرت داؤد علیہما السلام کی کتابیں تو رکھتے اور اپنے نبی کی کتاب نہ رکھتے۔ تحریفیں تو حسب عادت اس میں بھی بہت کیں۔ مگر محرّف ہی سہی انجیل کو بھی سینے سے لگاتے رہے۔ مگر بنی اسمٰعیل میں حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی نہ آیا۔ اس لئے ان کے پاس نہ صحف ابراہیم رہے نہ حضرت اسمٰعیلؑ پر اتری ہوئی کتاب رہی۔ بنی اسمٰعیل صدیوں تک کتاب اللہ سے بالکل محروم ہوگئے، اور بت پرستی میں انہماک کی وجہ سے ملت ابراہیمی کی کوئی بات ان میں باقی نہ رہی۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا احترام تو دلوں میں تھا مگر دینی مسلک کے اعتبار سے بنی اسمٰعیلؑ کو دُور کا بھی کوئی لگاؤ ان بزرگواروں سے باقی نہ رہا تھا۔

مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد یہودیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صحابہؓ کو نیا سابقہ پیش آیا۔ اُمیین کی طرف تو آپ کی پہلی بعثت ہوئی تھی۔ تیرہ برس مسلسل انھیں میں تبلیغ کرتے رہے۔ انھیں میں سے مؤمنین کی ایک معقول جماعت تیار ہوگئی جن میں سے بہت بڑی جماعت ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آگئی تھی۔ مگر خود بھی مدینے میں پہلے سے بنی اسمٰعیل اُمیین کی بہت بڑی جماعت آباد تھی۔ مدینہ طیبہ کے دو مشہور قبیلے اوس و خزرج امیین ہی میں سے تھے یعنی بنی اسمٰعیل ہی تھے۔ اعراب جو مدینہ طیبہ کے گرد وپیش کی بستیوں میں رہتے تھے وہ سب اُمیین ہی تھے۔ مدینہ طیبہ کے انصاری صحابہ سب امیین ہی تھے۔ مگر امیین سے کوئی نیا سابقہ نہ تھا۔ نیا سابقہ مدینہ طیبہ میں یہودیوں سے پیش آیا۔ اس لئے مدینہ طیبہ میں جو پہلا سورہ اُترا یعنی سورہ بقرہ تو اس

میں پہلے تین جماعتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ مکہ معظمہ میں صرف دو جماعتیں تھیں ۔ مومنین تھے یا
کفار ۔ مگر مدینہ طیبہ میں ایک بڑی بھاری تعداد مہاجرین کی آگئی ۔ پھر انصار مہاجرین کے
کی یکجائی سے مومنین کی تعداد بہت بڑھ گئی ۔ اس لئے مدینہ طیبہ کے بدنصیب کفار مومنین
کی مدینہ طیبہ میں امان اور گہما گہمی دیکھ کر مرعوب ہوگئے اور اپنی بدطینتی کے باعث اسلام قبول
کرنے پر بھی دل سے آمادہ نہ ہوئے تو انھوں نے منافقت اختیار کرلی ، اور بظاہر مسلم
بنے مگر دل میں اپنا کفر چھپائے رکھا ۔ مسلمانوں سے مسلمان بن کر ملتے تھے اور کفار سے کافر بن کر
اس لئے مدینے میں تین جماعتوں سے قرآن مجید کو سابقہ پیش آیا ۔ مومنین و کافرین کے علاوہ
منافقین کی نئی جماعت سے بھی ۔ اس لئے سورہ بقرہ کی ابتدائی تمہیدی آیات کریمات میں
پہلے مومنین کا ذکر فرمانے کے بعد کفار کا ذکر فرمایا گیا ۔ اس کے بعد منافقین کا ، اور یہ سب
امیین ہی میں سے تھے ۔ اس کے بعد یا ایہا الناس کے پرعظمت انداز مخاطبت سے
پورے عالم انسانیت کو مخاطب فرماکر توحید کی تبلیغ فرمائی گئی اور شرک جیسے ظلم عظیم سے
باز رہنے کی تاکید فرمائی گئی ۔ اس کے بعد حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کے واقعات
بیان فرمائے گئے ۔ چونکہ بنی اسرائیل کی کتابوں میں یہ سارے واقعات مذکور ہیں ۔ وہ
زبان سے تصدیق نہ کریں مگر ان کے قلوب تو ضرور ان باتوں کی تصدیق کریں گے ۔ اس
کے بعد بنی اسرائیل کو خاص طور پر پکار پکار کر مخاطب کیا گیا اور ان کو سمجھایا گیا ، ان کی گذشتہ
نافرمانیاں اور سرگوشیاں جو انھوں نے اپنے رسولؑ کے ساتھ کی تھیں ان کو یاد دلائی گئیں ،
مگر مدینہ طیبہ میں ہجرت نبویؐ سے پہلے یہود اپنا اقتدار قائم کئے ہوئے تھے ۔ امیین یعنی بنی اسمٰعیل
مدینہ و اطراف مدینہ میں بہت تھے مگر قبائل میں بٹے ہوئے آپس میں لڑتے بھڑتے
رہتے تھے ۔ امیین کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج ایک دوسرے کے دشمن تھے اور
یہود ان کو آپس میں لڑاتے رہتے تھے ۔ اکثر یہود کا خیال تھا کہ امیین بنی اسمٰعیل کو
باہم لڑاتے رہنا ان کو باہمی مسلسل خونریزی کے ذریعے کمزور بنائے رکھنا ، بلکہ ان کے ساتھ خیانت

کرنا ، ان پر ظلم کرنا ہمارے لیے جائز ہے ۔ اس کے متعلق اللہ ہم سے کسی قسم کی باز پرس نہیں
کرے گا ۔ ان کا قول قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ۔ :

ومن اھل الکتب من ان تأمنه بقنطار یؤدہ الیک ومنھم
من ان تأمنه بدینار لا یؤدہ الیک الا مادمت علیه قائماً ط
ذالک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل ج
ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون ٥ (۳ : ۷۵)

اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کے پاس مال کا ایک ڈھیر بھی
امانت رکھدو تو وہ (تمھارے مطالبے کے وقت) اس کو تمھیں دیدیں گے ۔
اور بعضے ان میں سے ایسے ہیں جن کے پاس تم ایک دینار بھی امانت رکھو تو
وہ تمھیں واپس دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے مگر یہ کہ تم ان پر (قوت کے ساتھ)
مسلط ہو جاؤ ۔ یہ بدمعاملگی (ان میں) اس لئے ہے کہ امیوں (بنی اسمٰعیل)
کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ عائد نہیں ہوگا ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو
امیوں کے ساتھ بددیانتی اور ظلم کرنے کی اجازت دیدی ہے) بلکہ وہ
جانتے بوجھتے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں ۔

برے سے بدتر اور ظالم سے ظالم قوم میں بھی کچھ نیک فطرت افراد ضرور ہوتے ہیں مگر عموماً
اچھے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں ۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وقلیل من عبادی الشکور ۔ (سبا : ۱۳)

میرے بندوں میں شکرگزار تھوڑے ہی سے ہیں ۔

اس لئے دو طرح کے اہل کتاب کی جو اخلاقی حالت بیان فرمائی گئی ہے تو یہ بھی ممکن ہے
کہ اہل کتاب سے یہاں صرف یہود ہی مراد ہوں ۔ مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں اہل
الکتٰب لفظ عام رکھا گیا ہے جن میں یہود و نصاریٰ دونوں داخل ہیں ۔ حسن معاملہ

والوں کا جو پہلے ذکر ہے ان سے نصاریٰ مراد ہوں، اور بد معاملہ جن کا ذکر بعد کو ہے ان سے یہود مراد ہوں۔ سورۃ مائدہ کی آیت کریمہ نمبر ۸۲ جو چھٹے پارے کی آخری آیت ہے پڑھیے

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود
والذین اشرکوا ۚ ولتجدن اقربھم مودۃ للذین اٰمنوا
الذین قالوا انا نصرٰی ۭ ذالک بان منھم قسیسین و رھبانا و
انھم لایستکبرون ○ (مائدہ : ۸۲)

مؤمنین کا سب سے سخت ترین دشمن تم یہودیوں کو پاؤ گے اور مشرکین اور (بُت پرستوں) کو اور مؤمنین سے محبت میں قریب تر (یہود و مشرکین کے مقابل) تم ان لوگوں کو پاؤ گے۔ جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں (انکے) علمائے دین ہیں اور درویش لوگ ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے کو (سب سے) بڑا نہیں سمجھتے۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں حُسنِ معاملہ والے امانت دار اہلِ کتاب نصاریٰ ہی نظر آتے ہیں اور بد معاملہ خائن اہلِ کتاب یہود (واللہ اعلم)

مدینہ طیبہ میں اس وقت یا بنی اسمٰعیل تھے یا بنی اسرائیل بلکہ درحقیقت پورے حجاز ہی میں بنی اسمٰعیل یا بنی اسرائیل ہی آباد تھے اس لئے یہ کہنا کہ بنی اسرائیل غیر بنی اسرائیل کو امیین کہتے تھے۔ اور یہ کہنا کہ بنی اسرائیل بنی اسمٰعیل کو اُمی کہتے تھے دونوں یکساں ہیں۔ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ یعنی عرب کے اہل کتاب بنی اسمٰعیل کو اُمیین کہتے تھے۔ اور بنی اسمٰعیل خود بھی اپنے کو فخر کے ساتھ اُمیین سمجھتے اور کہتے تھے۔

اور دیکھیے سورۃ آل عمران ہی کی بیسویں آیت میں پڑھیئے۔

وقل للذین اوتوا الکتب والامیین ءاسلمتم ۭ فان اسلموا فقد
اھتدوا (الآیہ۔ آل عمران : ۲۰)

اور (اے رسول!) تم اہل کتاب سے اور امیین سے پوچھو کہ کیا تم نے اسلام قبول کرلیا؟ تو اگر انھوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ ہدایت پا گئے۔ الخ

چونکہ اس زمانے میں یہی بنی اسرائیل یعنی اہل کتاب اور امیین بنی اسمٰعیل، یہی دو قومیں مدینہ طیبہ اور اس کے گرد و پیش کی بستیوں میں تھیں اس لئے بنی اسرائیل کو الذین اوتوا الکتب کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا۔ اور بنی اسمٰعیل کو الامیین کے لفظ سے۔ پورے حجاز میں دو قومیں آباد تھیں۔ اس وقت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے معبوث الیہم تبلیغی مخاطب یہی دو برابر کی قومیں تھیں۔ اہل کتاب یعنی بنی اسرائیل اور اُمیین یعنی بنی اسمٰعیل، اسی لئے ان دونوں کو اس آیت کریمہ میں مخاطب کرنے کا آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کوئی اور تیسری قوم ان دونوں کے سوا حجاز میں آباد نہ تھی۔ کچھ افراد اگر باہر سے آ کر تجارت وغیرہ کے ذریعے یا تو اسی قسم کے لوگ انفرادی حیثیت سے حجاز کی کسی بستی میں بلکہ مدینہ طیبہ و مکہ معظمہ میں بھی علیحدہ یا کسی قبیلے کے بعض افراد کے ساتھ سکونت پذیر ہوں تو ضمناً وہ بھی اس مخاطبت کے مخاطب سمجھے جائیں گے۔ مگر ضمناً ہی مخاطب ہو سکتے ہیں، ان لوگوں کی اپنی کوئی جُداگانہ مستقل قومی حیثیت نہیں سمجھی جا سکتی کہ وہاں وہ بھی اہلِ کتاب اور امیین کی طرح کسی اور قومی نام سے مخاطب ہوتے۔

لا یعلمون الکتٰب

سورہ بقرہ کے نویں رکوع میں اہل کتاب یعنی مدینہ طیبہ کے یہودیوں کی سنگدلی، بے ایمانی اور ہٹ دھرمی کا ذکر کرتے ہوئے مؤمنین سے فرمایا گیا ہے کہ:

افتطمعون ان یؤمنوا لکم (الآیہ ۲ : ۷۵)

کیا تم ان سے امید رکھتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے؟ یہ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ اپنی کتاب میں بھی وہ باتیں جو ان سے کہی گئی ہیں۔ ان میں سے جو باتیں ان کی مرضی کے خلاف پڑتی ہیں یہ نا خدا ترس ان میں بھی رد و بدل

کر دیا کرتے ہیں۔ جس کتاب پر ایمان ہے اس میں بھی تحریف کرتے رہتے ہیں۔

اسی سلسلۂ کلام میں بطور جملہ معترضہ کے امیین کا بھی ذکر فرما دیا گیا ہے۔ چونکہ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے ساتھ یہ بھی انکار وکفر و مخالفت میں یہودیوں کے ہمنوا و شریک کار تھے مگر بحث و مناظرہ کا تعلق ان سے کیا ہوتا۔ ان کے پاس زبانی کٹ حجتی کے سوا تھا ہی کیا۔ یہودیوں سے البتہ بحثیں ہوتی تھیں اور توراۃ کی باتیں پیش کر کے ان کو قائل کیا جاتا تھا۔ اس لئے یہودِ مدینہ کی ہٹ دھرمیوں کے سلسلۂ ذکر میں فرمایا گیا ہے۔

ومنهم اميون لا يعلمون الكتب الا امانى وان هم الا يظنون ۝ (۳ : ۷۸)

یعنی ان منکرین مخالفین کے زمرے میں اُمیّون بھی ہیں۔ مگر وہ کسی آسمانی کتاب کو تو جانتے بھی نہیں بجز (وہمی) ہوا و ہوس کے۔ وہ بس صرف بے بنیاد باتوں پر چلتے ہیں۔

چونکہ مدینہ طیبہ میں امیین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی اور حوالی مدینہ میں انہی کی اکثریت تھی اس لئے ان کو نظر انداز کس طرح کیا جا سکتا تھا۔ ان کا ذکر بالکل نہ کرنا باوجود ان کے قابلِ ذکر نہ ہونے کے مناسب نہ تھا۔ بدیں وجہ اثنائے ذکر یہود میں مختصر لفظوں میں اُمیّوں کا ذکر کر کے ان کے قابلِ ذکر نہ ہونے کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ نہ ان کے پاس کوئی کتاب ہے نہ دوسری قوموں کی کتابوں کا علم رکھتے ہیں نہ ان کو سند سمجھ کر ان کتابوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ صرف وہمی امیدوں اٹکل پچو کچھ اوہام و ظنوں ہی پر ان کے دین کا دار و مدار ہے جن کو عقلی دلائل سے بھی کوئی مناسبت نہیں تو ان اوہام پرستوں کے متعلق کیا باتیں کی جائیں۔ اور ان کی کونسی بات اس قابل ہے کہ اس کی تردید ضروری سمجھی جائے۔ اس لئے مختصر مگر بلیغ جملے میں اُمیّوں کا ذکر فرما کر پھر یہود ہی کے حالات بیان فرمائے گئے۔ اس آیت کریمہ سے امیین کی

دینی حیثیت واضح فرما دی گئی کہ ظنون و اوہام کے سوا ان کا دینی سرمایہ کچھ نہ تھا۔ پورے قرآن مجید میں از روئے نحو، باعراب رفع امیّون کا لفظ اسی آیت کریمہ میں آیا ہے۔ اس کے سوا تین جگہ باعراب جر امیین کا لفظ آیا ہے۔ سورۂ اعراف کی آیت کریمہ ۱۵۷۔ ۱۵۸ دونوں میں یکے بعد دیگرے اور پھر سورہ جمعہ کی دوسری آیت کریمہ میں۔ بتوفیقہ تعالیٰ و تبارک ان چاروں آیتوں پر اور لفظ امیین کی معنوی اور قوم اُمیین کی نسبی و وطنی حیثیت اور وجہ تسمیہ اور پھر ان کی دینی بے بضاعتی سب پر بحث ہو چکی۔ فالحمد للہ

النّبیّ الاُمّی

قرآن مجید میں دو جگہ یہ عظمت مآب مرکب توصیفی آیا ہے۔ ایک ہی سورۃ میں ایک ہی سلسلۂ کلام میں ایک ہی جگہ پے درپے دو آیتوں میں یعنی سورۃ اعراف کی آیت کریمہ ۱۵۷ میں اور آیت کریمہ ۱۵۸ میں وہ دونوں آیت کریمہ بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے بعض اہم واقعات سے متعلق ہیں اس لئے پوری دونوں آیتوں کا لکھنا بھی کافی نہ ہوگا۔ کم سے کم آیت کریمہ ۱۵۵ سے ۱۵۸ تک لکھ کر ترجمہ ہی نہیں بلکہ پوری تفسیر لکھنی ہوگی اور جن واقعات کا ان آیتوں میں ذکر ہے ان کو وضاحت سے سمجھنا ہوگا۔ جس سے غلط بحث بھی ہوگا۔ اس وقت تو مجھ کو صرف یہ دکھانا ہے کہ قرآن مجید میں جو دو جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو النبی الامی فرمایا گیا ہے۔ وہاں ان آیتوں میں النبی الامی کے معنی کیا ہیں؟ اس لئے سورۃ اعراف کی ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت بقدر ضرورت ہی عبارت پیش کرتا ہوں۔ دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت ۱۵۷ کا

پہلا جملہ ہے ۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ
مکتوبا عندھم فی التورٰۃ والانجیل : (اعراف : ۱۵۷)

وہ لوگ جو پیروی کریں گے اُمّی (قوم کے) رسول نبی کی جن (کی نشاندہی) کو وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں ۔

اور پوری آیت ۱۵۸ اس طرح ہے ۔

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک
السمٰوٰت والارض ج لا الہ الا ھو یحیی ویمیت ص فامنوا باللہ
ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ وکلمٰتہ
واتبعوہ لعلکم تھتدون ۵ (اعراف : ۱۵۸)

(اے رسول !) اعلان کرو کہ اے سارے جن والنس ! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں (وہ اللہ) ساری بلندیوں اور پستی میں جس کی بادشاہی وحکومت ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے ۔ تو ایمان لاؤ (اس) اللہ پر اور اس کے رسول امی (قوم کے) نبی پر جو (خود بھی) اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس (نبی امی) کی پیروی کرتے رہو تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچنے کی راہ پا جاؤ ۔

ان دونوں آیتوں میں حضور صلعم کو النبی الامی فرمایا گیا ہے اور سورۃ جمعہ کی دوسری آیت کریمہ میں آپ ہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے ۔

بعث فی الامیین رسولاً منھم ۔ (اللہ تعالیٰ نے امی قوم کے لوگوں میں انھیں سے ایک رسول مبعوث فرمایا ۔

اور حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام نے دعا فرمائی تھی ام القریٰ میں بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہوتے کہ ہم دونوں کی نسل میں انھیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما ۔ اور اسی ام القریٰ میں اپنی نسل کو بسانے کا بھی ذکر حضرت ابراہیم نے دعا ہی میں کیا تھا ۔ اور یہ ساری دعائیں حضرت ابراہیم نے اپنی نسل کے لئے فرمائی تھیں جو حضرت اسماعیلؑ کے ذریعے ام القریٰ میں اور اس کے حوالی میں پھیلی ۔

حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کی مشترکہ دعا جو قبول فرمائی گئی اس کا ذکر اس طرح نہیں فرمایا گیا کہ : ھو الذی بعث فی ذریۃ ابراھیم واسمٰعیل رسولا منھم کہ اس میں طوالت بیان الگ ہوتی اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی سکونت کا ذکر فرمایا تھا ۔ وہ سکونت مذکور نہ ہوتی اور فی الامیین فرما دیتے ہیں ۔ ام القریٰ کی سکونت کا ذکر بھی ہوگیا ۔ اور ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام ہی کی نسل وہاں بسائی گئی ۔ دعا بھی اسی نسل ابراہیمؑ و اسماعیلؑ ہی کے لئے کی تھی اس لئے الامیین کہنے سے نسل ابراہیم و اسماعیل ہونا ثابت ہو رہا ہے اور ان کی سکونت ام القریٰ بھی اس سے ثابت ہو رہی ہے ۔ انھیں امیین میں سے یہ نبی اُمّی مبعوث ہوئے ۔ تو اس صفت اُمّیت سے النبی کا اتصاف اور ان کا ... ابراہیم اور اسماعیل کی اولاد ہونا ۔ بنی اسمٰعیل میں سے ہونا ثابت کر رہا ہے اور ام القریٰ کا ساکن ہونا بھی ثابت کر رہا ہے ۔ اور یہ دونوں باتیں باعث شرف اہل عرب کے نزدیک اس وقت ضرور تھیں ۔

حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے شہروں میں غیر بنی اسمٰعیل اور غیر بنی اسرائیل قبائل بھی تھے ۔ وہ بنی اسماعیل کا بہت احترام کرتے تھے ۔ بنی اسرائیل کے سوا عرب کے سارے قبائل بنی اسمٰعیل امیین کا احترام کرتے تھے ۔ ان کی خاندانی عظمت اور خادم و مجاور بیت اللہ ہونے کی وجہ سے عام طور پر سارے غیر اسرائیلی قبائل عرب

ہی اسماعیل کو قابل احترام مانتے تھے۔ البلد الامین کے آخر یہ رہنے والے تھے ام القریٰ کے ساکن تھے۔ اس لئے ہر طرح کے حملہ آوروں سے محفوظ تھے یہاں تک کہ ان کے تجارتی قافلے بھی ڈاکوؤں کے حملے سے محفوظ رہتے تھے۔ ڈاکو بھی ان امیین کا احترام کرتے تھے۔ اس لئے الرسول النبی کے لفظوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت منصبی کا اظہار فرمایا گیا اور الامی کے لفظ سے آپ کی خاندانی شرافت اور مولد ومسکن کی عظمت بھی بتادی گئی۔ اتنی واضح بات مذکورہ بالا آیات کے ہوتے ہمارے اسلاف صرف ایک جھوٹی اور خلاف عقل روایت پر یقین کر لینے کی وجہ سے سمجھ نہ سکے۔

اَن پڑھ ہونا معجزہ نہیں ہے :

قرآن مجید میں صاف طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ

وماکنت تتلوا من قبلہٖ من کتٰب ولا تخطہ بیمینک
اذا لارتاب المبطلون۔ (عنکبوت : ۴۸)

(اے رسول) اس (منصب) سے پہلے تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے۔ (اگر تم لکھے پڑھے ہوتے) تو اس وقت باطل پرست لوگ (طرح طرح کے) شبہے پیدا کرتے۔

حضورؐ کے لئے لکھے پڑھے نہ ہونے کا صرف ایک فائدہ بیان فرمایا گیا ہے۔

اگر حضورؐ کے لئے ان پڑھ ہونا معجزہ ہوتا تو فرمایا جاتا : ومن آیات نبوتک انک ماکنت تتلو من قبلہ من کتٰب الخ اور نہ ہی یہ کوئی معجزہ ہو سکتا ہے۔ البتہ جو شخص چالیس برس تک پوری قوم کا جانا بوجھا ان پڑھ ہو وہ دفعۃً لکھی ہوئی کتاب ہر پڑھنے والے سے بہتر طریقے سے پڑھنے لگے اور اپنے ہاتھ سے بہترین خطاطی کے نمونے دکھانے لگے تو یہ البتہ معجزہ ہوگا۔

نبوت کے بعد ۲۳ برس تک آپ کو موقع ملا، اتنی وسیع مدت میں آپ کے لئے پڑھنا لکھنا سیکھ لینا کیا دشوار تھا؟ اہل سیر کے لکھنے کے مطابق نبوت کے بعد ۲۳ برس کا وسیع وقت ملنے کے باوجود بھی تادم وفات آپ کا ان پڑھ رہنا معجزہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نعوذ باللہ اس کو لکھنے پڑھنے کی اہمیت نہ سمجھنا اور لکھنے پڑھنے کی طرف سے بے پروائی ضرور کہا جائے گا۔ متنبّی نے خوب کہا ہے ؎

ولم ارفی عیوب الناس شیئا
کنقص القادرین علی التمام

یعنی انسانوں کے عیبوں میں سے (بدترین) اس جیسا عیب میں نہیں سمجھتا کہ اپنی تکمیل کی قدرت رکھنے کے باوجود لوگ اپنے نقص پر قانع رہیں۔

غرض منافقین نے ان پڑھ ہونے کو معجزہ قرار دے کر اس کا خوب ڈھنڈھورا پیٹا اور طرح طرح سے اس کو مشہور کیا اور لفظ اُمّی کے معنی ہی ان پڑھ قرار دے کر اس کو خوب مشہور کیا اور بعد کو ایک حدیث بھی گھڑلی۔

اُمّۃٌ اُمّیۃٌ

صرف اسود بن قیس النخعی الکوفی سعید بن عمرو بن سعید سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ انھوں نے حدیث بیان فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ

اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لانکتب ولا نحسب الشہر ھکذا وھکذا وھکذا
وعقد الابہام فی الثالثۃ۔ والشہر ھکذا وھکذا وھکذا
یعنی تمام ثلاثین :

ترجمہ : ہم لوگ اُمّۃٌ اُمّیّۃٌ (اُمّی قوم) ہیں نہ حساب کرتے ہیں (نہ لکھنا جانتے ہیں نہ گنتی جانتے ہیں) مہینہ اس طرح ہے اور اس طرح

ہے (اپنی دسوں انگلیوں سے کف ہلا ہلا کر بتایا) مگر تیسری بار ہیں انگوٹھے کو دبا لیا تھا (یعنی ۲۹ کی گنتی بتائی) پھر (اسی طرح دونوں ہتھیلیوں کی انگلیوں سے کفِ دست تین بار ہلا ہلا کر بتایا کہ) اور مہینہ اس طرح ہے اور اس طرح ہے اور اس طرح ہے (اب کی بار انگوٹھا نہیں دبایا) تیس ۳۰ پورا کیا۔

یہ حدیث مختلف طریق سے مروی ہے مگر اسود بن قیس ہی سے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث اسود بن قیس ہی سے مروی ہے۔ یہ اسود بن قیس دراصل اسود بن یزید بن قیس النخعی الکوفی ہے۔ نہایت مفتری تھا۔ کوفے کے بلوائی قاتلین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا سرغنہ تھا۔ حضرت معاویہؓ کی زندگی تک چھپا رہا۔ ان کی وفات کے بعد راوی احادیث بن کر نمودار ہوا۔ اس کے شاگردوں نے مشہور کیا کہ اس نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ حج کئے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ اس کا حج کرنا تو ناممکن ہے۔ کیوں کہ اس کی موت بقول ابی اسحاق السبیعی الکوفی ۷۵ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے اس کی پیدائش ۱۲ھ کی ٹھہرتی ہے۔ قاتلینِ حضرت عثمانؓ کے ساتھ کوفے سے بیس برس کی عمر میں جوانی دیوانی کا جوش لئے ہوئے آیا تھا اور بلوائیوں کے سرغنوں میں سے ایک سرغنہ تھا۔

اس سے روایت کرنے والے اس کے ہم مسلک تلامذہ نے اس کی طرف متعدد حج کو منسوب کر دیا ہے۔ اس کو بڑا عابد ثابت کرنے کے لئے یہ جھوٹی حدیث جو اس کذاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی ہے اسی سے اس کی منافقت اور کذابیت ثابت ہو رہی ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو قول اس افترائی حدیث

میں قصداً و عمداً منسوب کیا گیا ہے، اس میں صرف حضورؐ ہی کے حساب و کتاب سے نابلد ہونے کا ذکر نہیں ہے بلکہ حضورؐ کی پوری قوم کو لکھنے پڑھنے سے، حساب و کتاب و عدد و شمار جاننے سے بالکل نابلد ثابت کیا گیا ہے۔ انا امۃ امیۃ کہہ کر اور اسی افترائی حدیث کی بنیاد پر امی کے معنی اَن پڑھ مشہور کیا گیا ہے۔ اس افترائی حدیث کے سوا کوئی دلیل لوگوں کے پاس اس کی نہیں کہ امی اس کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو نہ گنتی جانتا ہو۔ تو یہ حدیث مکذوب علی الرسول یہ بتاتی ہے کہ حضور تیس اور انتیس کی گنتی تک نہیں جانتے تھے اور لکھنا پڑھنا گنتی اور اعداد کے نام نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم یعنی بنی اسمٰعیل کی پوری قوم جانتی تھی۔ مگر ایسی قابل قوم کے اَن پڑھ رسول پر جو کتاب اتری ہے اس میں اعداد کے ناموں کی کثرت دیکھئے۔ ان آیات کو بقول اسود بن قیس النخعی (العوذ باللہ تعالیٰ) خود رسول نہیں سمجھتے ہوں گے۔ دوسروں کو ایسی کتاب کی تعلیم وہ کیا کر سکتے ہیں جس کو وہ خود نہیں سمجھ سکتے تھے۔

ایک۔ مذکر قل ھو اللہ احد۔ (ایک) مؤنث احدی الطائفتین (انفال ۷) دو گروہوں میں سے ایک۔

دو۔ مذکر اثنان ذوا عدل منکم (مائدہ ۱۰۶) دو گواہ) عدل و انصاف والے تم میں سے۔ دو مؤنث فان کانتا اثنتین (نساء ۱۷۷۔ آخری آیت) (اگر بے والد و ولد میت کے صرف) دو (بہنیں) ہوں۔

تین۔ مذکر ثلثۃ قروء (بقرہ ۲۲۸) (مطلقہ بیویوں کی عدت) تین حیض۔ مؤنث، فی ظلمت ثلث (زمر ۶) (بچہ ماں کے پیٹ میں) تین (طرح کی) تاریکیوں میں (رہتا ہے)

چار۔ مذکر اربعۃ من الطیر (بقرہ ۲۶۰) چار پرندوں میں سے لو۔ مؤنث اربع شھادات باللہ (نور ۶۔ ۸) چار شہادتیں (قسمیں) اللہ تعالیٰ کی۔

پانچ ۵ ۔ مذکر ۔ ویقولون خمسة (کہف : ۲۲) اور (بعض لوگ اصحاب کہف کے بارے میں کہتے ہیں کہ پانچ ہیں ۔ سادسھم کلبھم ان میں ان کا چھٹا کتا ہے

چھ ٦ ۔ فی ستة ایام ۔ چھ دنوں میں (اعراف : ۵۴ ، یونس : ۳)

سات ۔ ویقولون سبعة ثامنھم کلبھم ۔ (کہف ۲۲) اور (بعضے اصحاب کہف کے متعلق) کہتے ہیں کہ وہ سات ہیں ۔ آٹھواں ان کا کتا ہے ۔

آٹھ ۸ ۔ مذکر ثمانیة ازواج (انعام : ۱۴۳) آٹھ قسم کے (چارپائے)

مونث : ثمانی حجج (قصص ۲۷) آٹھ برس

نو ۹ ۔ مذکر ۔ تسعة رھط (نمل : ۴۸) نو قبیلے (مؤنث) وازدادو تسعًا (کہف : ۲۶) لوگوں نے نو کا اضافہ کر دیا ۔

دس ۔ مذکر ۔ فلہ عشر امثالہا (انعام : ۵۴) تو اس کے لئے دہ گونہ ہے ویسا ہی ہے ۔ مؤنث ۔ تلك عشرة کاملة ۔ (بقرہ ۱۹۶) یہ پورے دس ہوئے ۔

گیارہ : احد عشر کوکبًا (یوسف : ۴) گیارہ ستارے ۔

بارہ : اثنتا عشرة عینا ۔ (بقرہ : ۶۰) بارہ جھرنے ۔

ایک سے بارہ تک مسلسل اعداد اکثر کے مذکر و مؤنث دونوں قرآن مجید میں آپ نے دیکھ لیئے ۔ ان کے علاوہ انیس کا بھی ذکر ہے ۔

علیھا تسعة عشر (مدثر : ۲۹) دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں ۔

اس کے علاوہ : مثنیٰ وثلاث وربع (نساء : ۳) دو دو ، تین تین اور چار چار ۔

پھر آیات وراثت میں نصف میراث اور ثلث اور ربع اور ثمن (آدھا ، تہائی دو تہائی ، چوتھائی اور آٹھویں حصہ کا حساب) تقسیم میراث کے سلسلے میں ایسے

بھولے بھالے رسول کس طرح کر سکتے ہوں گے جو تیس اور انتیس کی گنتی تک نہ جانتے ہوں اور پوری قوم تو ضرور اپنے رسول سے زیادہ ہی بھولے پن میں ہوگی ۔ وہ تقسیم میراث کی آیات (مذکورہ بالا آیات) کو کس طرح سمجھی ہوگی ؟

جتنے اعداد بیان کئے گئے وہ آحاد کے ہوئے یا پہلا عشرہ اور اس کے کچھ لواحق ان کے علاوہ بڑے بڑے اعداد بھی ہیں انھیں بھی دیکھ لیجئے ۔

دس : ولیالٍ عشر ۔ (فجر : ۲) اور دس راتیں گواہ ہیں ۔

بیس : ان یکن منکم عشرون ۔ (انفال : ۶۵) اگر تم میں سے بیس (مجاہدین) ہوں ۔

تیس : حملہ وفصالہ ثلثون شہرًا (احقاف : ۱۵) بچے کے حمل میں رہنے اور پیدائش کے بعد دودھ چھڑائی تک کے وقت کی مدت تیس مہینے بتائی گئی ہے ۔

چالیس : اسی آیت کریمہ سورہ احقاف میں اس پر ہے : وبلغ اربعین سنة اور پہنچا چالیس برس کی عمر تک ۔

پچاس : الا خمسین عاما ۔ (عنکبوت : ۱۴) مگر پچاس برس ۔

ساٹھ : ستین مسکینا ۔ (مجادلہ : ۴) ساٹھ مسکین ۔

ستّر : سبعون ذراعًا ۔ (حاقہ : ۳۲) ستر ہاتھ ۔

اسّی : ثمانین جلدة ۔ (نور ۔ ۴) اسّی درّے ۔

ننانوے : لہ تسع وتسعون نعجة ۔ (ص : ۲۳) اس کے ننانوے دنبیاں ۔

ایک سو : مائة عام ۔ (بقرہ : ۲۵۹) سو برس ۔

دو سو : یغلبوا مائتین (انفال : ۶۵) غالب آجائیں گے دو سو پر ۔

تین سو : ثلث مائة سنین ۔ (کہف : ۲۵) تین سو برس ۔

ایک ہزار : ان یکن منکم الف ۔ (انفال: ٦٦) اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے

دو ہزار : یغلبوا الفین ۔ (انفال: ٦٦) تو دو ہزار پر غالب آجائیں گے۔

تین ہزار : بثلاثة الاف ۔ (آل عمران: ۱۲۴) تین ہزار (ملائکہ) سے ۔

پانچ ہزار : بخمسة الاف من الملائکة (آل عمران: ۱۲۵) پانچ ہزار فرشتوں سے۔

پچاس ہزار : خمسین الف سنة (معارج: ۴) پچاس ہزار برس۔

ایک لاکھ : الی مائة الف : (صافات: ۱۴۷) سو ہزار کی طرف ۔

واضح رہے کہ اس کے بعد او یزیدون ہے ۔ یہاں اَوْ اضراب کے لئے "بلکہ" کے معنی میں ہے ۔

اللہ گنتی کہئے :

جس رسول پر ایسی کتاب اُترے جس میں تقریباً ایک سے لے کر ایک لاکھ تک کی گنتی ہو ۔ آحاد و عشرات اور ان سے مرکب اعداد مذکور ہوں ۔ تقسیم میراث کا جس کو حساب بتایا گیا ہو ۔ زکوٰۃ و مالِ غنیمت کی تقسیم کا جس کو قانون بتایا گیا ہو کیا وہ ایسا ہو سکتا ہے کہ نہ پڑھنا لکھنا جانے نہ حساب جانے ۔ یہاں تک کہ ایک سے لے کر دس تک سے زیادہ گنتی بھی نہ جانتا ہو ۔ دونوں ہاتھوں میں دس انگلیاں ہیں اسی کے برابر وہ دس تک کسی طرح گن لیتا ہو ۔ کیا اُمّی کے یہ معنی نزول قرآن مجید کے وقت اہل عرب خصوصاً اہل حجاز جانتے تھے؟ اور اسی معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ من ذالک بے پڑھا لکھا اَن پڑھ جاہل ہی کے معنی میں النبی الامی سورۂ اعراف کی آیت کریمہ ۱۵۷، ۱۵۸ دونوں میں فرمایا گیا ہے ۔ ؟

خیال رہے کہ سورۂ اعراف کی ان دونوں آیتوں کے مخاطب بنی اسرائیل ہیں اور بنی اسرائیل میں علما بھی تھے ۔ سورۂ شعراء کے مخاطب مشرکین مکہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے

اولم یکن لهم اٰیة ان یعلمه علمٰٓؤا بنی اسرائیل ٥

کیا (یہ بات) ان (مشرکین مکہ و عوام اہل کتاب) کے لئے (اس قرآن مجید کے منزل من اللہ برحق ہونے کی) ایک عظیم علامت نہیں ہے ؟ کہ اس (کی باتوں کے برحق ہونے) کو علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں ۔

سورۂ اعراف بھی سورۃ الشعراء کی طرح مکی ہی سورۃ ہے ۔ مگر سورۂ اعراف میں حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام سے متعلق واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ ہیں ۔ آیت کریمہ ۱۰۳ سے ۱٦۲ تک مسلسل ساٹھ آیات کریمات کے مخاطب بنی اسرائیل یہود ہی ہو سکتے ہیں اس لئے آیات کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ یہ سب مدنی آیتیں ہیں اور یہود مدینہ ان کے مخاطب ہیں ۔ خصوصاً اس لئے کہ آیت کریمہ ۱۵٦ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا ختم ہوتی ہے ۔

واکتب لنا فی هٰذه الدنیا حسنة وفی الاٰخرة انا هدنا الیك ط پڑھئے ۔

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی مقدر کر دی جائے اور آخرت میں بھی ۔ ہم سب نے تجھی سے لو لگا رکھی ہے ۔

حضرت موسیٰ ؑ کی اس دعا کا جواب یہ عطا فرمایا گیا ہے کہ : عذابی اصیب به من اشاء ورحمتی وسعت کل شیء میرا عذاب ، تو جس کو میں (اس کا) مستحق سمجھتا ہوں اسی پر نازل کرتا ہوں ۔ اور میری رحمت تو ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے " حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا جواب یہاں پر ختم ہو گیا ۔ اس کے بعد ، یعنی اس لمبی تمہید کے بعد بنی اسرائیل ہی کو رسالت محمدیہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے ۔ اُن کے عوام کو نہیں ۔ علمائے بنی اسرائیل کو ۔

آیت کریمہ ۱۵٦ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی التجا کے جواب کا آخری جملہ ہے ورحمتی وسعت کل شیء ط اس کے بعد موجودہ یعنی ہجرت نبوی کے وقت جو بنی اسرائیل مدینہ طیبہ و حوالی مدینہ طیبہ موجود تھے ان کو اتباع دینِ محمدی کی ترغیب کے لئے ورحمتی وسعت کل شیء فرمانے کے بعد فائے استیناف کے ذریعے

استدراکی عطف اس جملے پر کرکے ارشاد ہوا: کہ

فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ھم بایٰتنا یؤمنون: " لیکن اب ہم اپنی رحمت کو لازم کردیں گے ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں۔ اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں "۔

تین باتیں فرمائی ہیں:۔

۱۔ تقویٰ جس کا پتہ حقوق العباد کی نگہداشت سے ملتا ہے۔

۲۔ ادائے زکوٰۃ مالی قربانی نفس پر بہت شاق ہوتی ہے۔ اور مالی ایثار کرنے کا حکم دینا بھی ایمانی آزمائش کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

۳۔ آخر میں ایمان کا ذکر فرمایا۔ اس لئے کہ ہر جماعت میں بعض نیک نفس ہوتے ہیں۔ فطری نیک نفسی کی وجہ سے حقوق العباد ادا کرتے ہیں۔ مالی قربانی بھی کرتے ہیں۔ لیکن ایمان نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ دنیا میں اپنی نیک نفسی کی وجہ سے نیک نام وہردل عزیز ضرور رہیں گے اور دنیاوی خوشحالی ان کو ضرور حاصل ہوگی۔ وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ (آل عمران: ۱۱۰) " وہ جو نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی "۔

لیکن ارشاد فرمایا گیا ہے۔

لا خیر فی کثیر من نجوٰھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس ج ومن یفعل ذٰلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نؤتیہ اجرا عظیما ۵ (نساء: ۱۱۴)

ان کی باہمی مشورت کی مجلسوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی بجز اس کے کہ کوئی (اس میں) صدقہ وخیرات کی بات پیش کرے یا کسی اور رفاہ عام کی بات پر لوگوں کے درمیان اصلاح ومصالحت کی تدبیر پر غور

دبخش ہو (بے شک یہ سب کار خیر ہیں) لیکن انہی کاموں کو جو شخص ابتغائے مرضات اللہ کی نیت سے کرے گا تو وہ (آخرت کے) اجر عظیم کا مستحق ہوگا (ورنہ دنیاوی مفاد کے لئے جو نیکیاں کرے گا اس کو دنیاوی مفاد حاصل ہوجائے گا) "۔

اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہ منھا: (آل عمران: ۱۴۵)

جو شخص (اپنی نیک عملی کا میں اجر دنیا ہی کا مفاد چاہے گا۔ ہم اس کو دنیا سے (جو مناسب سمجھیں گے) دیدیں گے۔

مگر یہ بھی فرمادیا ہے،

ومن الناس من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا وما لہ فی الاخرۃ من خلاق ط

بعض لوگ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں (بھلائیاں) عطا فرما، اور (چونکہ وہ آخرت کے لئے کچھ کرتے نہیں اس لئے) آخرت میں اس کے لئے (خوشحالی میں سے) کوئی حصہ نہیں "۔

غرض ایمان کے بغیر ساری نیکیاں آخرت میں کچھ کام نہیں دے سکتیں سب وہاں اکارت ہیں۔ اس لئے یہاں آخر میں ایمان کا ذکر فرمایا گیا۔ نماز کا ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ نماز ہی تو ایمان کا عملی وظاہری ثبوت ہے۔ ایمان تو دل کی بات ہے۔ نماز ہی کی پابندی ایمان کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ اس لئے ایمان کے ذکر کے بعد صلوٰۃ کے ذکر کی ضرورت نہ تھی عیاں راچہ بیاں۔ زکوٰۃ چونکہ " زرمی طلبی سخن درین است " والی چیز ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا گیا۔

اس کے بعد بتایا کہ وہ متقی زکوٰۃ ادا کرنے والے آیات اللہ پر ایمان رکھنے والے

کون لوگ ہیں ؟

الذین یتبعون الرسول النبی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم
فی التوریٰۃ والانجیل ۔ (الآیۃ)

" وہ وہ لوگ ہیں جو اس رسول نبی اُمّی کی پیروی کریں گے جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں "

یعنی علمائے بنی اسرائیل جو تورات و انجیل کا علم رکھتے ہیں۔ جس وقت یہ آیت کریمہ اُتری تھی اور مدینے کے یہودیوں نے سنی تھی۔ اگر اُمّی کا لفظ واقعی اَن پڑھ، پڑھنے لکھنے سے عاری، گنتیوں کے نام تک جس کو نہ آتے ہوں، ایسے جاہل ہی کے لئے اہل عرب بولتے تھے تو علمائے بنی اسرائیل ضرور کہتے کہ ہم لوگ اہل علم ہیں۔ لکھنا پڑھنا اپنی دینی زبان عبرانی و سریانی میں بھی جانتے ہیں اور ہم پشتہا پشت سے عرب کے رہنے والے ہیں، اس لئے عربی زبان میں بھی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ ایک اَن پڑھ شخص کی جس کو گنتی تک نہ آتی ہو اُس کا اتباع کیوں کرنے لگے ؟ اگر صحیح بخاری کی یہ حدیث ان میں مدخول نہ ہوتی اور واقعی حضورؐ اس حدیث کے مطابق **لانکتب ولا نحسب** کے مصداق ہوتے تو یہود خصوصاً علمائے یہود ضرور حضورؐ کے اَن پڑھ ہونے کا طعن دیتے رہتے اور قرآن مجید میں اس کا ضرور کچھ جواب اترتا۔ کم سے کم تاریخی روایتوں میں یہودیوں کے اس طعن کا ذکر ہوتا اور جس طرح اہل سیر اس اَن پڑھ ہونے کو معجزہ ثابت کر رہے ہیں۔ صحابہ یہودیوں کے طعن کا جواب دیتے۔ اس معجزے کو یہودیوں پر ثابت کرتے اور اس کا ذکر تاریخی روایات میں ہوتا۔

قرآن مجید میں کہیں بھی اشارۃً، کنایۃً آپ کے نبوت کے بعد بھی اَن پڑھ رہنے کا ذکر نہیں بلکہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ آپؐ کے اَن پڑھ ہونے کا ذکر نبوت و رسالت سے قبل کی قید کے ساتھ ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ نبوت کے بعد آپ لکھنے پڑھنے

لگے تھے۔ اس قرآنی تصریح کے بعد بھی ایک جھوٹی حدیث پر ایمان رکھنا اور قرآنی آیات کی معنوی تحریف کرنا سخت افسوسناک ہے۔

تعلیم رسول :

حسب روایت صحیح بخاری وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو قرآن مجید کی آیتیں اتریں وہ سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں تھیں جن میں سے پہلی ہی آیت میں اقراء (پڑھو) کا حکم ہے۔ جس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پڑھنے کی صلاحیت عطا کر دی گئی۔ اس کے بعد پڑھنے کا حکم ہوا اور ان پانچ میں سے تیسری آیت اور چوتھی آیت پڑھیئے۔

اقرأ وربک الاکرم الذی علّم بالقلم ۝

پڑھو تمہارا رب ساری بزرگیوں کا مالک ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم فرمائی۔

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قلم کے ذریعے اسی جگہ قرأت کے ساتھ کتابت کی بھی تعلیم فرمائی گئی تھی اور عطائے منصب نبوت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے اور لکھنے دونوں کی تعلیم فرمائی گئی تھی۔ ان پانچوں آیتوں میں سے آخری یعنی پانچویں آیت ہے۔

علّم الانسان مالم یعلم ۝

اس انسان (کامل) کو ان (تمام باتوں کی جو منصب نبوت و رسالت و تبلیغ و ارشاد کے لوازمات میں سے ہیں۔ ان سب باتوں کی) جن کو وہ (کسی اور ذریعے سے) نہیں جان سکتے" تھے تعلیم دی۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم ہوئی تو یقیناً دوسرے معلموں سے بہتر تعلیم ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قاری سے بہتر قاری اور ہر کاتب سے بہتر کاتب معجزانہ طور سے دفعۃً ہو گئے۔